Faith and Discovery
January – June 2024 Vol:2, Issue:1
ISSN(p): 3007-0643
ISSN(e): 3007-0651

اقبال کا فلسفہ تعلیم: دور جدید میں ایمان اور علم میں ہم آہنگی

IQBAL'S PHILOSOPHY OF EDUCATION: HARMONIZING FAITH AND KNOWLEDGE IN THE MODERN WORLD

پروفیسر حسنین کاظمی
اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی

ABSTRACT: In his 1930 address at the annual session of the All India Muslim League in Allahabad, Allama Iqbal delivered a speech that became a crucial document in the history of the Muslim nation. Iqbal stated that he had dedicated the best part of his life to the study of Islam's law, polity, culture, history, and literature, which gave him insight into Islam's significance as a universal truth. His ideas contain the elements necessary to form the foundation of an educational philosophy. He highlighted that the universe operates under a complete and comprehensive system of knowledge created by God, who established natural laws governing all creation. Iqbal emphasized that true knowledge must align with divine guidance, and human philosophy must harmonize with the natural system. He also stressed the role of faith in shaping human life and intellect. Iqbal believed that the purpose of education is to purify the mind and heart, fostering human dignity and understanding. Criticizing Western educational philosophy, Iqbal argued that it lacks spiritual values and ultimately leads to materialism. Iqbal's concept of khudi (selfhood) is central to his educational philosophy, emphasizing the development of human potential. He also believed that the finality of prophethood in Islam encourages humans to rely on their own intellectual

resources while being guided by reason, experience, and divine wisdom. Iqbal's thought remains a vital framework for understanding Islamic education, offering a system that aligns with human nature and eternal truths, leading to success in both spiritual and material realms.

Keywords: Divine guidance, Educational philosophy, Faith, Finality of prophethood, Islamic education, Khudi (selfhood), Materialism, Reason, Spiritual and material success, Universal truth, Western educational philosophy

علامہ اقبال نے الہ آباد کے مقام پر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جو خطبہ دیا تھا وہ ہماری قومی تاریخ کی ایک اہم دستاویز بن گیا ہے۔ وہ خطبہ بہ حیثیت مجموعی بڑا فکر انگیز ہے۔ اس سے ہمارے قومی مطمح نظر کے تعین کی راہ ہموار ہوئی اور ہمارے قومی تشخص کی وضاحت ہوئی۔ اسی خطبے کی ابتدا میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ:

> I have given the best part of my life to a careful study of Islam, its law and polity, its culture, its history and its literature. This constant contact with the spirit of Islam, as it unfolds itself in time, has, I think, given me a kind of insight into its significance as a world-fact. (Iqbal, 2018a, p.3)

میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ اسلام، اس کی سماجی تشکیل، اس کے نظام قانون اور اس کی تاریخ، تمدن اور ادب کے مطالعے میں صرف کیا ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی اس حقیقی روح سے ایک مسلسل رابطہ کی وجہ سے مجھ میں وہ صلاحیت بیدار ہو گئی ہے کہ اسلام کو ایک آفاقی حقیقت کے تناظر میں دیکھ سکوں۔

علامہ اقبال نے واقعی اسلام کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کے جذبہ ایمانی نے اس مطالعے کو ان کے فکر و فن کے لئے روشنی کا وسیلہ بنایا اور انہوں نے دور حاضر کے فکری اور علمی تقاضوں کے پیش نظر ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے اسلام کی حقیقت سمجھی اور سمجھائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار میں وہ تمام اجزائے ترکیبی موجود ہیں جن پر ایک نظام تعلیم کی بنیاد استوار ہو سکتی ہے اور جسے ہم فلسفہ تعلیم کہتے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو ہمیں اس پوری کائنات میں بھی ایک مکمل، واضح اور ہمہ گیر نظام تعلیم موجود نظر آجائے گا کیونکہ اس کا خالق علیم و خبیر بھی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ۔ (الرعد، ۱۳: ۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں۔ اس نے آفتاب وماہتاب کو ایک قانون کا پابند کیا۔

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ۔ (الرحمٰن، ۵۵: ۵)

سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔

وَجَعَلَ الَّيۡلَ سَكَنًا وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا۔ (الانعام، ٦: ٩٦)

اور اسی (اللہ) نے رات کو سکون کا وقت بنایا اور چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا۔

لَا الشَّمۡسُ يَنۢبَغِىۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّيۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ‌ؕ وَ كُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ۔ (الانعام، ٦: ٩٦)

نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعۡرِشُوۡنَ۔ (النحل، ١٦: ٦٨)

اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹیلوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھولوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہ پر چلتی رہ۔

قرآن پاک کی آیات کے ان چند حوالوں سے اُس نظام تعلیم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اس کائنات میں ہر شے کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے اور ہر سے اس علم کے مطابق جو اس کے لئے ضروری ہے، عمل کر رہی ہے۔ یہ علم پوری کائنات کے لئے ہے اور کائنات کے دائرے میں انسان بھی شامل ہے۔ لیکن انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک استثنا رکھا ہے۔ کائنات کی ہر شے کا معلم اللہ تعالیٰ براہ راست ہے لیکن انسان کو حصول علم کی صلاحیت ودیعت فرما کر اللہ تعالیٰ نے براہ راست ہدایت سے اسے مستثنیٰ کر دیا۔ لیکن انسانوں کو حقیقی علم کی روشنی مہیا کرنے کے لئے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان اپنے رسولوں اور نبیوں کو بھیجا۔ انسانوں کے لئے اللہ کی ہدایت کی تکمیل ہمارے ہادیٔ برحق پر ہوئی۔

انسان ارادے اور اختیار کی قوت رکھتا ہے اور اس قوت کا ایک دائرہ عمل ہے۔ اسی بناء پر انسان کے لئے حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان فرق کرنے کا مرحلہ آیا۔ اس فرق کے فیصلے کا انحصار خود انسان پر ہے۔ وہ اللہ کی عطا کردہ علم کی روشنی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا اس روشنی کی جانب سے آنکھیں بند کر کے اور خود تجربات کے اندھیروں سے گزر کر نتیجوں کے چراغوں کی دھیمی روشنی میں آہستہ آہستہ زندگی کی راہوں پر قدم بہ قدم کا آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس دوسری راہ پر خسارہ یقینی ہے لیکن روشنی کی جانب سے آنکھیں بند کر لینے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا۔ انسان تجربات کی طویل مدت کے نقصانات کے صرف اسی صورت میں محفوظ ہو سکتا ہے جب قدرت کے نظام تعلیم اور انسان کے فلسفہ تعلیم میں پوری ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ یہ ہم آہنگی پیدا کرنا انسان کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے، سننے، سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتوں کے ساتھ اُسے زندگی کی راہوں کے لئے مکمل اور واضح ہدایات کی روشنی بھی عطا کر دی ہے۔

اس پس منظر میں "اقبال اور فلسفہ تعلیم" پر گفتگو کرتے ہوئے مناسب ہے کہ ہم اقبال کے خیالات کے حوالوں سے اس کی ابتدا کریں۔ خواجہ غلام السیدین کے نام ایک خط میں اقبال نے لکھا تھا:

> علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے تحت رہنا چاہئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ یہ علم حق کی ابتدا ہے۔ .... وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علم حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے۔ .... مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے، مسلمان

کرے۔ .... اگر علم کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کے لئے سراسر رحمت ہے۔ (برنی،۱۹۸۹، ص ۳۴۴- ۳۴۵)

اقبال کے یہ خیالات ان کے فلسفہ تعلیم کی پوری وضاحت کر دیتے ہیں یہی خیالات ان کی شاعری میں اپنی پوری فنی لطافتوں اور یقین کی پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

(اقبال،۲۰۲۱، ص ۴۰۵)

انسان کے لئے فلسفہ تعلیم کا اصل مقصد یہی ہونا چاہئے کہ عقل و خرد کی پاکیزگی حاصل ہو جائے۔ شرف انسانیت کا یہی ثبوت ہے۔ اس کے وسیلے سے انسان کائنات پر اعتماد اور خود شناسی کی بلندیوں سے نگاہ ڈالتا ہے۔ اس کے بغیر انسان احساس محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(اقبال،۲۰۲۱، ص ۵۵۷)

اقبال انسانی زندگی میں ایمان کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں کیونکہ ایمان میں سے زندگی کے بارے میں انسان کا زاویہ نگاہ بنتا یا بگڑتا ہے۔ انسان کا اللہ پر ایمان علم و عمل میں ڈھل کر در حقیقت خود انسانیت کے شرف اور تکریم پر ایمان بن جاتا ہے۔ اسلامی اور غیر اسلامی فلسفہ تعلیم میں یہی بنیادی فرق ہے۔ اہل مغرب اپنے ذرائع ابلاغ سے انسانی حقوق کے جتنے اعلانات چاہیں کریں اور وہ بلا شبہ اس راہ میں بڑی تگ و دو اور بڑے تجربات کر رہے ہیں لیکن ان کی مجبوری یہ ہے کہ وہ توحید پر ایمان سے محرومی کی بناء پر اس بنیاد سے محروم ہیں جس پر احترام آدمیت کا تصور قائم ہوتا ہے۔ مغربی فلسفہ حیات نے بہر حال انسان کو سماجی حیوان (Social Animal) قرار دیا ہے اور ان کے نظام تعلیم کی بنیاد اسی تصور پر استوار ہوتی ہے۔ ”زمانہ

حاضر کا انسان" ایمان کی اس توانائی سے محروم ہے جو عقل کی رہنمائی کرتی ہے اور اسی وجہ سے بقول اقبال:

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج ایک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۵۸۳)

حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر میں سارا عالم انسانیت ایک شدید المیے سے دوچار ہے۔ یہ المیہ اہل مغرب کو بھی درپیش ہے اور اہل مشرق کو بھی۔ یعنی یہ المیہ ان کے سامنے بھی ہے جن کو ہم مذہب سے بیگانہ کہتے ہیں اور خود ہمارے سامنے بھی ہے حالانکہ ہم اپنے دعوؤں کے مطابق اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اقبال نے اس حقیقت کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے:

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام
مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ لادینی افکار کے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۵۹۴)

اقبال کے افکار کی خوبی یہ ہے کہ وہ حقائق کا تجزیہ کرتے ہیں، انسانی المیے کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس پر غم کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن بات یہیں ختم نہیں کرتے بلکہ اپنے ایمان کی

روشنی میں انسان کے بنیادی مسائل کا حقیقی حل بھی پیش کرتے ہیں۔ اقبال کا خیال یہ ہے کہ عالم انسانیت کی رہنمائی اور فلاح کی سب سے بڑی ذمہ داری خود مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور مسلمانوں کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنی ملی اہمیت اور ذمہ داریوں سے بے خبر اہل مغرب کی اندھی تقلید کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور یہ صورت حال ہے کہ مسلمانوں نے مغرب کا نظام تعلیم مع ان کے فلسفہ تعلیم کے قبول کر لیا ہے۔ کور نگاہی کا یہ دیرینہ مرض جو مسلمانوں کو لاحق ہو گیا ہے اس کی حقیقی وجہ اقبال کی نگاہ میں ہماری اجتماعی زندگی پر مغرب کے نظام تعلیم کی مکمل گرفت ہے۔ دین و تعلیم کے حوالے سے انھوں نے کہا ہے:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرت افراد سے اغماز بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

(اقبال، ۲۰۲۱، ص۵۹۹)

اس اعتبار سے ترجیحات کا تعین اگر کیا جائے تو ہمیں اولیت اس کوشش کو دینی چاہئے کہ ہم مغربی تعلیم کے فلسفے اور نظام کی گرفت سے آزاد ہوں۔ اس آزادی کے بغیر بہ حیثیت مسلمان ہماری اجتماعی زندگی کی حقیقی تعمیر و ترقی کا کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت ہمیں اپنے ذہنوں میں واضح رکھنی چاہئے کہ علم اور تعلیم کا فلسفہ اور نظام ایک ہی تصویر کے دو رخ جیسے نہیں ہیں۔ علم الگ حقیقت ہے اور اس کا فلسفہ اور نظام الگ ہے۔ علم عالمگیر ہے اور ساری انسانیت کی یکساں میراث ہے جبکہ تعلیم کا فلسفہ اور نظام کسی بھی قوم یا کسی بھی انسانی گروہ کے نظریہ زندگی سے منسلک ہوتا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں مغرب کے فلسفہ تعلیم سے آزادی حاصل کر لینی چاہئے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہمیں مغرب کی

علمی و فنی اور تکنیکی ترقیوں سے منہ موڑ لینا چاہیے۔ علمی ارتقا میں ساری انسانیت کا حصہ ہوتا ہے اور دنیا کے تمام انسان اس سے یکساں انداز میں استفادہ کر سکتے ہیں۔ علم مانگا نہیں جاتا، حاصل کیا جاتا ہے اور علم انسان کے لیے باعث ضرر نہیں ہوتا۔ علم کا غلط استعمال ہی انسانوں کے نقصان کا باعث بنتا ہے اور اس کے استعمال کا تعلق نظریہ زندگی سے ہوتا ہے۔ مغرب کا علم انسانیت کے لئے عذاب کا باعث اس لئے بن رہا ہے کہ مغرب کا تصور زندگی، اس کا فلسفہ حیات درست نہیں ہے۔ مغرب کے نظریہ حیات کی اس بنیادی خامی کی طرف اقبال نے بار بار اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے:

خبر ملی ہے خدایان بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہ گزر سیل بے پناہ میں ہے

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۳۹۹)

ڈھونڈھ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام، وائے تمنائے خام

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۳۹۴)

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
وہ فرنگی مدنیت کہ جو خود ہے لب گور

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۵۸۳)

یہی وجہ ہے کہ اقبال ہمیں مغرب کے نظریہ زندگی کی خامیوں کے آگاہ کر کے ہمیں اس سے دور رہنے کی مسلسل تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اس نظریہ زندگی کے نعم البدل کے طور پر وہ اسلام کی علمی اور فکری تشریح کر کے چاہتے یہ ہیں کہ ہم زبان سے اسلام پر ایمان کا جو دعویٰ کرتے رہتے ہیں اسے علم اور عمل کے وسیلے سے حقیقی معنوں میں ایمان بنا لیں۔ اس مقصد کے

حصول کے لئے فلسفہ تعلیم کی سمت درست کرنی ہو گی اور اقبال اس راہ پر ہر قدم ہماری رہنمائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اقبال انسانی زندگی کا محور و مرکز ایمان کو قرار دیتے ہیں:

ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۳۰۲)

یہی تصور ہمارے فلسفہ تعلیم کا محور و مرکز بھی ہے۔ اس کے بعد تعلیم کے حصول اور تعلیم کی ترویج کے بارے میں انسان کا زاویہ نظر ہی بدل جاتا ہے۔ مغرب کا فلسفہ تعلیم علم کو بالآخر مالی منفعت اور ذاتی آسائشیں حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اقبال کے خیال میں محض حصول زر کا مقصد ہی تمام خرابیوں کی بنیاد ہے:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۵۹۶)

ہمارے ایمان کی بنیاد پر ہمارے فلسفہ تعلیم کا اصل مقصد سماجی زندگی میں احترام آدمیت کے تصور کو ایک قوت محرکہ کی حیثیت سے قائم کرنا ہے یعنی اجتماعی زندگی سے ہر قسم کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی ناہمواریاں ختم کر کے انسان کو انسان کے اقتدار سے آزادی دلانا ہے۔

آدمیت　احترام　آدمی
با خبر　شو　از　مقام　آدمی

(اقبال، ۱۹۹۰، ص ۷۹۳)

اگر توحید پر ایمان کے وسلے سے ہماری نگاہوں میں احترام آدمیت کا تصور باقی نہ رہے تو پھر انسانوں کا ایک گروہ انسانوں کے دوسرے گروہ کے استحصال کی ہزار صورتیں نکال لیتا ہے اور اس کے ہزار جواز پیدا کر لیتا ہے۔

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

(اقبال،۲۰۲۱،ص ۳۰۵)

اس اعتبار سے فلسفہ تعلیم کا اصل مقصد انسان کی کردار سازی قرار پاتا ہے یعنی ہم یہ سمجھ لیں کہ اچھا آدمی بننے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ سماجی زندگی کی اس حقیقت کا علم اور اس کے مطابق عمل انسان کی ذات میں وہ استحکام پیدا کرتا ہے جس کا حاصل کرنا ہر انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ اس مقصد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک میں تو اس نظام کائنات کی تخلیق کا مقصد بھی یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کے بہتر اعمال کے نتیجے سامنے آجائیں۔ سورہ ہود میں ارشاد ہوا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً۔(ہود،۱۱: ۷)

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تم کو آزما کر دیکھے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اور یہی حقیقت سورہ ملک میں یوں واضح کی گئی ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً۔(الملک،۶۷: ۱- ۲)

نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اقبال کے فکر و فن کی عظمت کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں قرآن حکیم اور سیرت طیبہ سے روشنی حاصل ہوئی ہے۔ ان کے افکار ایسی روشنی سے منور ہیں اور ان کا تصور خودی بھی اسی روشنی کا مظہر ہے:

زندگانی ہے صدف، قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خودنگر و خودگر و خودگیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تُو موت سے بھی مر نہ سکے

(اقبال،۲۰۲۱،ص۵۴۳)

اس تصور پر ایمان کی وجہ سے ہمارے فلسفہ تعلیم بھی اسی اصول پر استوار ہو گا کہ انسانی زندگی کا مقصد انسانی ذات کا استحکام ہے اور یہ استحکام اقبال کی اصطلاحات میں اسرار خودی اور رموز بیخودی کی یکجائی سے پیدا ہوتا ہے۔ اقبال دونوں پہلوؤں پر یکساں زور دیتے ہیں کیونکہ ان ہی اسرار اور رموز کے مابین ہم آہنگی پر انسان کی معاشرتی زندگی کی فلاح اور اس کے ارتقا کا انحصار ہے کہ

فرو میگیرد ز ملت احترام
ملت از افراد می باید نظام

(اقبال،۱۹۹۰،ص۸۶)

اس بات کا اظہار اقبال نے ان اشعار میں بھی کیا ہے کہ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

(اقبال،۲۰۲۱،ص۷۱۳)

اور دوسری سمت یہ حقیقت بھی نگاہوں سے کبھی اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

(اقبال،۲۰۲۱،ص۲۱۷)

یعنی فرد اور ملت ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں اور دونوں کا مقصد باہمی طور پر ایک دوسرے کی فلاح کی کوشش ہے۔ فرد جماعت کی فلاح کی کوشش کرتا اس طرح

جماعت یا ملت مستحکم ہو کر اس فرد کی فلاح اور اس کے تحفظ کی ضمانت ہے بن جاتی ہے۔ اصل میں افراد کی ساری امکانی تعمیری صلاحیتیں کسی اجتماعی نظام کے بغیر بروئے کار نہیں آ سکتیں۔ کیونکہ انسانوں کا انسانوں سے واسطہ جب پڑتا ہے اسی وقت انسان کو اپنی خامیوں کا اندازہ کرنے اور ان پر قابو پانے کے مواقع ملتے ہیں۔ اپنی خامیوں پر قابو پانا اور خوبیوں کو مستقل بیدار رکھنا جہد مسلسل کی سب سے اچھی صورت ہے اور جہد مسلسل ہی حقیقی زندگی کی علامت ہے:

ہے آب حیات اسی جہاں میں
شرط اس کے لئے ہے تشنہ کامی

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۶۰۱)

انسانی زندگی کا مقصد دراصل اتنا عظیم ہے کہ اُس کو حاصل کرنے کے لئے، اس مقصد سے قریب تر ہونے کے لئے، انسان ساری زندگی اس کوشش میں بسر تو کر سکتا ہے لیکن اس کا مکمل حصول ممکن نہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان معاشرے میں اور خود انسان کی ذات کے اندر خیر و شر کے درمیان ایک مسلسل آویزش جاری رہتی ہے۔ یہی آویزش انسان کے لئے آزمائش ہے ۔ اسی آزمائش سے کامیاب گزرنا انسان کے لئے سرخروئی کا باعث ہے۔ نہ تو خیر و شر کے درمیان یہ آویزش کبھی ختم ہو گی اور نہ انسان کے لئے آزمائش کے مراحل کبھی اختتام کو پہنچیں گے۔ ہمارا اپنا فلسفہ تعلیم یا وہ فلسفہ تعلیم جو اقبال کے فکر و فن میں نظر آتا ہے، اس راہ پر ہمیں خیر اختیار کرنے اور شرک سے بچتے رہنے میں معاونت کرتا ہے کیونکہ ہمارے ایمان کے مطابق، جو ہمارے فلسفہ تعلیم کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے، خیر و شر کی یہ آویزش قانون قدرت ہے اور یہ بھی نظام قدرت ہے کہ خیر باقی رہے گا اور شر ختم ہو جائے گا۔ انسان کے لئے اس میں رمز پوشیدہ یہ ہے کہ وہ اس آزمائش کی راہ سے گزرے گا تو عناصر کائنات اور قانون قدرت کی اعانت اسے حاصل ہو گی اور یہ کہ زندگی کی راہ پر آزمائش کا یہ سفر خود اس کی ذات کے استحکام کا باعث ہو گا۔ یہی حقیقت ہے جس کی تشریح اقبال نے اس انداز میں کی ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

رم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

(اقبال،۲۰۲۱،ص ۴۲۱)

اس مرحلے پر اس سچائی کا اظہار ناگزیر ہے کہ مغرب کی علمی، فنی اور تکنیکی ترقیوں نے ہماری نگاہوں کو الوہی ہدایت کے حقیقی نور سے محرومی کے باعث خیرہ کر دیا ہے ورنہ اپنے تمام کمالات علمی کے باوجود مغرب اب تک انسان کی حقیقی عظمت کے ادراک سے محروم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی علمی اور عملی ترقیاں انسانیت کو خود اعتمادی کے بجائے خوف اور بے بسی میں زیادہ مبتلا کر رہی ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے وسیلے سے عالم انسانیت کو علم کی جو روشنی حاصل ہوئی وہ انسان کے لئے ترقی کا باعث تو ہوئی لیکن اس علم کی وجہ سے انسان کو خوف، بے بسی اور بے چارگی کا سامنا کبھی نہیں کرنا پڑا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے فلسفہ تعلیم کے تحت انسان کے لئے علم کے ساتھ ساتھ عقل و خرد کی پاکیزگی حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور یہ پاکیزگی علم کو انسان کے لئے خیر کا باعث بناتی ہے اور شر کا باعث بننے سے روکتی ہے۔

اقبال کو ہم ان کے تصور خودی کے وسیلے سے پہچانتے ہیں اس لئے اقبال اور فلسفہ تعلیم کے سلسلے میں اس تصور کی مختصر تشریح بھی ضروری ہے۔ اقبال نے یہ اصطلاح انسان کی ذات کے لئے استعمال کی ہے اور اپنے داخلی امکانات کی وجہ سے انہوں نے انسانی ذات کو ایک بیج سے تشبیہ دی ہے جو مٹی میں دب جانے کے بعد ایک درخت کی صورت فضا میں پھیل کر اپنے وجود میں موجود امکانات کی نشوونما کر لیتا ہے۔ اس کیفیت سے اقبال نے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ تسلیم و رضا کا اصل مقصد اشیاء کے وجود میں امکانات کا تعمیری اظہار ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ

ظلمت کدۂ خاک پہ شاکر نہیں رہتا
ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا
فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

(اقبال،۲۰۲۱،ص ۵۶۵)

اسی اعتبار سے ہمارے فلسفہ تعلیم کا اصل مقصد انسان کی مخفی صلاحتیں اس انداز میں بیدار کرنا ہے کہ سماجی زندگی میں اس کے تعمیری نتیجے بر آمد ہوں۔یعنی ہر فرد معاشرتی زندگی کی فلاح کی کوششوں میں مصروف رہے اور خود بھی اسی معاشرے کا فرد ہونے کی بنیاد پر اس کی یہ کوششیں بالواسطہ خود اسے اپنی فلاح کی ضمانت بھی فراہم کرتی چلی جائیں گی۔اسی صورت سے ہر انسان قدرت کی منشا اور مرضی کے مطابق اپنے وجود کے مقصد کی تکمیل کر سکتا ہے اور قدرت کی منشا کے مطابق عمل ہمیشہ خیر کا باعث ہوتا ہے۔

اقبال اور فلسفہ تعلیم کے سلسلے میں اس زاویہ نظر کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو علم کے حوالے سے انہوں نے ختم نبوت کی حقیقت کے بارے میں پیش کیا ہے۔اپنے خطابات میں "اسلامی ثقافت کی روح" کے عنوان سے اقبال نے کہا ہے:

> In Islam prophecy reaches its perfection in discovering the need of its own abolition. This involves the keen perception that life cannot for ever be kept in leading strings; that, in order to achieve full self-consciousness, man must finally be thrown back on his own resources. The abolition of priesthood and hereditary kingship in Islam, the constant appeal to reason and experience in the Quran, and the emphasis that it lays on Nature and History as sources of human knowledge, are all different aspects of the same idea of finality. The idea, however, does not mean that mystic experience, which qualitatively does not differ from the experience of the prophet, has now ceased to exist as a vital fact. (Iqbal, 2018b, p.101)

اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچی ہے کیونکہ اس نے اپنے ہی خاتمے کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔اس میں یہ ادراک گہرے طور پر موجود ہے کہ زندگی کو ہمیشہ بیساکھیوں کے سہارے پر نہیں رکھا جا سکتا اور یہ کہ ایک مکمل خود شعوری حاصل کرنے کے لیے انسان کو بالآخر اس کے اپنے وسائل کی طرف موڑ دینا چاہیے۔اسلام

میں پاپائیت اور موروثیت کا خاتمہ قرآن میں استدلال اور عقل پر مسلسل اصرار اور اس کا باربار فطرت اور تاریخ کے مطالعے کو انسانی علم کا ذریعہ قرار دینا' ان سب کا تصور ختم نبوت کے مختلف پہلوؤں سے گہرا تعلق ہے۔ اس صورت حال کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ شعور ولایت جو کیفیت کے اعتبار سے نبی کے تجربے سے کوئی زیادہ مختلف نہیں اب ایک موثر قوت کے طور پر ختم ہو گیا ہے۔

ختم نبوت کے تصور کے بارے میں اقبال کا یہ زاویہ نگاہ بڑا فکر انگیز ہے اور اس عقیدے کی بنیاد ہمارے فلسفہ تعلیم کو لامحدود وسعتیں عطا کر دیتی ہے۔ ختم نبوت کا تصور محض ایک روایتی عقیدہ نہیں زندگی کا ایک مکمل رویہ ہے اور علم و عمل کی دنیا میں یہ عقیدہ بہ حیثیت مجموعی انسانیت کے باشعور ہونے کا اعلان ہے اور اس کے وسیلے سے حیات وکائنات کے مسائل میں تحقیق، تجسس، دریافت، انکشاف اور جہد مسلسل کے بے شمار امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

اقبال دور حاضر میں اسلامی فکر کے بڑے معتبر مفسر ہیں۔ ان کے فکر و فن کے حوالے سے ہم فلسفہ تعلیم کا جو خاکہ بھی تیار کریں گے وہ خود بخود اسلامی فلسفہ تعلیم کا خاکہ بن جائے گا۔ ہر ملک اور ہر قوم کے لئے فلسفہ تعلیم ایک زندہ مسئلہ ہے۔ زندہ مسئلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس فلسفہ تعلیم میں زندگی کی حقیقتوں، ناگزیر تبدیلیوں اور مراحل ارتقا کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت ہے۔ جہاں تک مغرب کے فلسفہ تعلیم کا سوال ہے تو ان کے سامنے زندگی کی بنیادی اور مستقل قدروں کے تحفظ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ عملی اعتبار سے ان کے فلسفہ تعلیم کا تعلق صرف مادی زندگی سے ہے اس لئے وہ مستقل اخلاقی قدروں کے تعین اور ان کے تحفظ سے کوئی فکری یا ذہنی رشتہ نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس ہمارے پاس مستقل اقدار حیات ہیں اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قدریں زندگی کے ارتقائی مراحل میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتیں۔ اس کے برعکس وہ قدریں انسانی زندگی کو حقیقی ارتقائی راہوں سے گزرنے کے قابل بنانے میں نہ صرف معاونت کرتی ہیں بلکہ اس بات کی ضمانت بن جاتی ہیں کہ زندگی ان ہی قدروں کی توانائی سے سرخرو اور کامیاب ہو گی۔

انسان اس دنیا میں صرف امکانات کا مجموعہ بن کر آتا ہے۔ وہ ہوتا کچھ نہیں ہے لیکن سب کچھ بن سکتا ہے یا بالکل ضائع ہو سکتا ہے۔ اسے سماعت اور بصارت کے ساتھ دل و دماغ کی صلاحیتیں بھی عطا ہوتی ہیں اور جس طرح آواز سماعت کو اور روشنی بصارت کو کام میں لانے کے لئے ضروری ہے اسی طرح دل و دماغ کی رہنمائی کے لئے الوہی ہدایت ضروری ہے۔ اس ہدایت نے محروم انسان زندگی کا سفر اندھیرے میں کرتا ہے۔ مغرب کا فلسفہ تعلیم زندگی کی راہوں کا تعین تو کر رہا ہے لیکن ایمان کی روشنی سے محروم ہے۔ ہمارا ایمان ہمیں یہ روشنی فراہم کر دیتا ہے۔ بقول اقبال:

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں
حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطوں!
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ دروں!

(اقبال، ۲۰۲۱، ص ۵۶۲)

BIBLIOGRAPHY

Iqbal, A. M. (2018a). Allama Muhammad Iqbal's Allahabad Address, 1930 (Text and Urdu Translation), Lahore: Iqbal Academy Pakistan.

Iqbal, A. M. (2018b). The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore: Iqbal Academy Pakistan.

اقبال، علامہ محمد، (۱۹۹۰)، کلیات اقبال فارسی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔

اقبال، علامہ محمد، (۲۰۲۱)، کلیات اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان۔

برنی، مظفر حسین، (۱۹۸۹)، کلیات مکاتیب اقبال، دہلی: اردو اکادمی۔